© rasailojaraid.com

ڈاکٹر سید عبداللہ

ظہوری ترشیزی (دکنی)

(سرمۂ حیرت کشم دیدہ بدیدن دہم)

میرزا غالب کی عقیدت ظہوری سے - اور ہماری عقیدت غالب سے! اس لیے جستجو ہوتی کہ میرزا غالب نے نقشِ ظہوری کے بارے میں جو اندازِ تحسین اختیار کیا ہے، اور وہ کوئی معمولی بات نہیں تو آخر اس کی بنیاد کیا ہے؟ کیا سچ مچ ظہوری اتنا بڑا شاعر ہے کہ غالب جیسا سخنور اس کے سامنے سر جھکا کے چلے - اور ناصر علی سرہندی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "بر روئے زمین بہتر از ظہوری نیامدہ" (بحوالہ مرآۃ الخیال) اور اگر یہ معاملہ صرف ناصر علی سرہندی تک محدود رہتا

ل نور الدین ظہوری (یا میر محمد طاہر بحوالہ سرخوش) کے مختصر حالاتِ زندگی یہ ہیں: شاید ۹۴۴-۴۵ھ میں بمقام تہران پیدا ہوا (مے خانہ) یا قاین میں (بساتین السلاطین) مگر اکثر تذکرہ نگار اسے ترشیزی لکھتے ہیں۔ سعید نفیسی کے بیان کے مطابق تہران میں ۹۳۲ھ میں پیدا ہوا - انتقال ۱۰۲۵ھ میں (مے خانہ - ۱۰۲۴ھ میں) ہوا - یزد اور شیراز میں رہا جہاں ہم عصر شعرا سے ملاقاتیں ہوئیں - کچھ دیر تک شاہ عباس صفوی کے دربار میں رہا - ۹۸۸ھ میں بحری راستے سے بیجا پور (دکن) میں وارد ہوا - ظہوری نے حج بھی کیا اور واپسی پر احمد نگر میں برہان الملک کے دربار میں منصب ملک الشعرائی حاصل کیا - جب احمد نگر فتح ہو گیا تو وہ خان خاناں کے دربار سے متوسل ہو گیا --- ۶۰ سال کی عمر میں سلطان ابراہیم عادل شاہ کے دربار میں بیجا پور چلا گیا - اور بیس برس تک منسلک رہا - ملک قمی ظہوری کا دوست تھا - فیضی اور عُرفی سے بھی خط و کتابت تھی - اور نظیری اور ابو طالب کلیم سے غائبانہ مراسم کا ذکر بھی تذکروں میں آتا ہے - مزید تفصیل کے لیے دیکھیے میرا مضمون "ظہوری" --- ، در اُردو دائرہ معارف اسلامیہ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو سابقہ نہ تھا کہ ناصر علی کو خیال بافی کی عادت تھی۔ مگر جب غالب جیسا سخن فہم اور شاعر اس کی تعریف کرے تو سوچنا ہی پڑتا ہے کہ ظہوری کے اوصاف کمال ہیں کیا؟

جہاں تک میں غور کر سکا ہوں ظہوری کے تین نمایاں خصائص ایسے ہیں جن کی وجہ سے اس کا اس کے معاصرین اور بعد کے لوگوں پر خاص رعب پڑا۔

۱۔ ظہوری کی شخصیت اور درباری امتیاز اور جامعیت۔

۲۔ اس کی نثری تخلیقات اور نثری اسلوب۔

۳۔ اس کا ساقی نامہ۔

یوں تو کسی شاعر کا کسی دربار سے متعلق ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں مگر ظہوری صرف شاعر دربار ہی نہ تھا بلکہ ندیم بھی تھا اور ابراہیم عادل شاہ سے تو اس کا رابطہ کم و بیش عاشقانہ معلوم ہوتا ہے۔

ظہوری جامع شخصیت کا مالک تھا۔ خوش نویس اعلیٰ درجے کا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ میر خواند کی کتاب روضۃ الصفا سو مرتبہ لکھی۔ (یہ اگرچہ بظاہر مبالغہ ہے۔ مگر اس کے کاتب و خوش نویس ہونے میں کلام نہیں) موسیقی میں بھی دسترس کا پتہ چلتا ہے۔ شاعری اور انشا دونوں میں اس کا امتیاز تسلیم شدہ ہے۔ اور نظم و نثر دونوں میں اس کا قلم یکساں طور سے رواں رہا۔

اس جامعیت کے علاوہ نظم میں اس کا ساقی نامہ اور نثر میں اس کے تین خطے (سہ نثر) اس کے لیے باعث شہرت ہوئے۔

نثر میں ظہوری ایک اسلوب خاص کے مالک تھے۔ محمد حسین آزاد اس کی نثر کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "نظم و نثر میں لاثانی طرز اس کا سب سے علیحدہ ہے اور اسی کی ایجاد ہے ..... چھوٹے چھوٹے فقرے مقفیٰ لکھتا ہے۔ لیکن جس فقرے کو جس سے پیوند دیا ہے وہ ایسا ہے کہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔"

میں جس حد تک غور کر سکا ہوں، ظہوری کی نثر کا کمال اس کے آہنگ میں ہے۔ وہ صوت کی ترکیب و ترتیب اس طرح کرتے ہیں کہ مطالب سمجھے بغیر بھی ان کی عبارت محظوظ کرتی ہے۔ ہم مخرج حروف کی حسین ترتیب و تشکیل سامعہ نوازی کرتی ہے، اور وہ حروف جو انبساط و نشاط کے نمائندے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں خاص طور سے لاتا ہے۔ چھوٹے فقرے بھی لکھتا ہے اور لمبے بھی۔ صنعتوں میں تقابل و تضاد سے زیادہ مراعاۃ النظیر کا خیال رکھتا ہے۔ پنج رقعہ میں انداز بیان پُر تکلف ہے لیکن نثر میں شیرینی و رنگینی کی آمیزش ہے۔ ظہوری کا انداز وصاف، ابوالفضل اور دوسرے بڑے منشیوں کے انداز سے جُدا ہے، بعد میں آنے والوں نے مثلاً مُلا طاہر وحید، نعمت خاں عالی اور ارادت خاں واضح (مصنف مینا بازار) نے اس کی تقلید کی کوشش کی مگر کامیاب کوئی نہیں ہو سکا۔

نظم میں ظہوری نے سب اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے دیوان میں غزل قصیدہ مثنوی، مراثی، رباعیات، قصائد، قطعات، ترکیب بند اور ترجیع بند موجود ہیں۔ مُلا عبدالنبی نے 'مے خانہ' میں لکھا ہے کہ اس کا دیوان پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے (لکھنؤ کے مطبوعہ دیوان میں ۴۷۶ صفحے ہیں اور صرف غزلیات ہیں، اشعار کی تعداد ۱۴ ہزار کے قریب ہے) لیکن مخطوطوں کی صورت میں کتب خانوں میں جو کلیات ہیں ان میں سب اصناف ہیں ایک مثنوی آئینہ راز مع دیباچہ نثر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانے میں ہے۔ اسی کتاب خانے میں ایک اور مثنوی ابدالیہ (تصوّف میں) محفوظ ہے اگرچہ اس کا کچھ یقین نہیں منبع الانہار شاید ملک قمی کی ہے یا دونوں کا مشترک مال ہے۔

ظہوری کے قصیدے اکبری جہانگیری دور کے بڑے شعرا کے قصیدوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

رباعیات وغیرہ بھی عام درجے کی ہیں۔ البتہ ان کا ساقی نامہ ایک خاص چیز ہے (جس پر آگے چل کر گفتگو ہو گی)

یہ امر واقعہ ہے کہ ظہوری کی غزل، دوسرے درجے کی غزل ہے، یہ صحیح ہے کہ غالب نے خراجِ تحسین ادا کر کے ظہوری کے رُتبے کے بارے میں بڑا اعلیٰ تصوّر پیدا کر رکھا ہے مگر سچ یہ ہے کہ غزل میں وہ نظیری، عُرفی، فیضی وغیرہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تاہم ان کی غزل اتنی پست بھی نہیں جتنی آزاد بلگرامی نے خزانۂ عامرہ میں یہ کہہ کر ظاہر کی ہے کہ "میں نے اس کی چند غزلیں پڑھ کر انتخاب اس لیے چھوڑ دیا کہ ......"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

راقم الحروف کی رائے میں ظہوری کے کلام میں، قابل انتخاب بہت سے اشعار ہیں۔

ایک خاص بات جو ان کی غزل میں محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس ہیجے کے آدمی ہیں جس سے اکبری جہانگیری دور کے غزل گو شعرا (نظیری، عرفی، فیضی وغیرہ) کو امتیاز حاصل ہوا۔ ظہوری کی نوا بھی ان کی طرح پُرجوش اور مردانہ (بلکہ سپاہیانہ) ہے اور نسوانی لہجوں اور رمانتی پیرایوں سے پاک ہے۔

میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ ظہوری معانی سے زیادہ صوتی اثرات کا شاعر ہے جہاں (الفاظ اور بحر کا) صوت اور الفاظ کے معانی موافق و مطابق ہو جاتے ہیں وہاں ان کی غزل چمک اٹھتی ہے۔ اس کے ثبوت میں ذیل کی غزل ملاحظہ ہو:

از دمِ تیغے مگر تن بطپیدن دہم

سرمۂ حیرت کشم دیدہ بدیدن دہم

شیر خان لودھی نے مرآۃ الخیال میں یہ غزل لکھی ہے اور غالب نے بھی اس کا جواب لکھا ہے اور اس کی بحر کی پُرجوش رجز یہ لَے نے اقبال کو بھی متاثر کیا ہے۔ قارئینِ کرام اس غزل کو دو تین بار پڑھنے کے بعد خود بخود محسوس فرمائیں گے کہ شاعر اکبری جہانگیری دَور کا ہے، آواز میں قوت رکھتا ہے اور بحر کی روانی سے، عزم اور سعی و حرکت کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے کہ شاعر کے اور عرفی، نظیری اور فیضی کے مابین اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا دہلی اور دکن کے درمیان ہے۔ چنانچہ:

غزل کی لفظیات میں تیغ، خون چکیدن، تیغ و ترنج، بریدن، گزیدن، دویدن، خلیدن دریدن وغیرہ سب کچھ ہے مگر اندر سے دل، بزم آرائی اور فضائے عیش و نشاط سے دبا ہوا معلوم ہوتا ہے اور سرمہ، جلوہ، غمزہ نقاب، یوسف و یعقوب، زانوئے حیف، کوہ ضعف، اشکِ سبک گام، فاختۂ عقل، برگِ گل و لالہ، زیب دریدن، گوش شنیدن، محلِ دل، تلخی، امید وغیرہ وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا تاثر سابق الذکر پر غالب آیا چاہتا ہے ــــ اور ظاہر ہے کہ جس غزل میں "کوہ ضعف" جیسے الفاظ ہوں اور جس میں تلخی امید کو چیرتا ہوا دکھایا جائے اس میں ہنگامۂ عمل اور حرکتِ حیات کا دعویٰ یا نمائش بھی موجود ہو تو وہ بے اثر ہی محسوس ہو گا[1]

---

[1] (حاشیہ صفحہ ۷ پر ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر بھی لہجے میں قوت اور آواز میں توانائی ہے اور شاعر اکبری جہانگیری دور کے شاعروں کا ہم قبیلہ معلوم ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں یہ غزل بھی ملاحظہ ہو :

گوہر ز جوشِ اشک بدریا گدا ختیم
از تاب نالہ لالہ بصحرا گدا ختیم

فرقِ جنوں ز حیرتِ یکداغ سوختست
صد داغ بیش در دلِ شیدا گدا ختیم

بر ہیچ گاہِ راحت و محنت رہم فتاد
سود و زیاں ز گرمیٔ سودا گدا ختیم

ایں روئے شعلہ ناک نیاوردہ آفتاب
از دیدنش بدیدہ تماشا گدا ختیم

در دشت جستجوی رہ از دست رفتگان
تا گل نکردہ آبلہ در پا گدا ختیم

رشکم جگر بسوخت ظہوری حریف نیست
در کورۂ غمش تن تنہا گدا ختیم

اس غزل میں مرکزی تاثر "گدا ختیم" کی وجہ سے ہے پھر ہر شعر میں کوئی جذباتی جہت پیدا کر کے اس کے لیے پُر جوش اور ہیجان خیز پیرایہ اختیار کیا ہے ۔۔۔ پوری غزل میں کسی نئی

---

۵ غالب اور اقبال دونوں نے اس زمین میں طبع آزمائی کی ہے ۔ غالب کی غزل کا مطلع یہ ہے :

سوخت جگر تا کجا رنج چکیدن دہیم رنگ شوا ے خونِ گرم تا بہ پریدن دہیم

کہنے کو غالب نے اپنی غزل میں نقشِ ظہوری پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مگر اس میں غالب کا اپنا نقش غالب ہے ۔ ظہوری کی غزل بالکل جدا چیز معلوم ہوتی ہے ۔ جسے آپ چاہیں تو فیضی کے قریب قرار دے لیں ۔ نہ غالب پر ظہوری کا کوئی نقش نظر آتا ہے نہ ظہوری کی غزل میں کوئی ایسی بات ہے جس کی پیروی غالب کرتے ۔ بہر حال یہ جدا مبحث ہے جس پر الگ لکھا جائے گا ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقت کا انکشاف نہیں۔ معلوم حقیقتوں کا ذکر جوش انگیز طریقے سے ذاتی تب و تاب کے حوالے سے کیا ہے جس میں شدت اور مبالغے سے اثر پیدا کیا ہے، ورنہ بات کچھ نہیں۔

یہ صورت اس غزل میں دیکھیے:

از نیر آہ مغزِ ثریا شگافتیم
از سیلِ اشک سینۂ دریا شگافتیم

خون می چکد بخاک و جنوں جوش می زند
از خنجرِ بلا دلِ شیدا شگافتیم

گشتیم با خنک گریۂ مستانہ بخیہ ریز
خوش عارفانہ خرقۂ تقوی شگافتیم

روز نگاہ بین کہ بہنگامۂ وصال
صد صف نگہ ز شوقِ تماشا شگافتیم

نیلِ غمش ز دیدۂ تر میرود ہنوز
رفتیم بمصر خاکِ زلیخا شگافتیم

از زہرِ تیغ ہجر ظہوری حکایتے
گفتیم بکوہ زہرۂ خارا شگافتیم

اب اس غزل پر غور کیجیے، شدت اور مبالغہ کے سوا اس میں کیا رکھا ہے۔ آواز میں ہیجان ہے اور باتیں کھوکھلی نہ بھی ہوں تو بھی اس میں لاف و ادعا کا اثر ہے۔ آہ کا تیر چلایا تو مغزِ ثریا کو چیر ڈالا۔ اشک کا سیلاب اٹھا تو سینۂ دریا کو چھلنی کر دیا۔ ہجر کی تلوار کے زہر کی بات پہاڑوں کے سامنے بیان کی تو زہرۂ خارا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ عام باتیں ہیں۔ آہ کی رسائی، اشک کے طوفان، بلاؤں کا ہجوم، آبلہ پائی، قصۂ درد کی تاثیر وغیرہ وغیرہ یہ مضمون ہر جگہ مل جاتے ہیں۔ ظہوری نے صرف یہ کیا ہے کہ انھیں اپنے ہیجان خیز پیرائے میں ادا کر دیا ہے فقط۔

اس غزل میں ہیجان انگیز الفاظ کے علاوہ صوتی تعمیر کچھ لطف پیدا کرتی ہے۔ ہم صوت حروف کی تکرار اور ان کی ترکیب و ترتیب سے اثر آفرینی واضح ہے:

خون می چکد بخاک و جنوں جوش می زند
از خنجرِ بلا دلِ شیدا شگافتیم

خون اور خاک اور خنجر، جنون اور جوش، شیدا اور شگافتیم میں خ، ج اور ش کی تکرار اثر آفرین ہے۔

گشتیم با خنک گریۂ مستانہ بخیہ ریز
خوش عارفانہ خرقۂ تقوی شگافتیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس شعر میں ش، خ، ف اور ق کی تکرار باعثِ لطف ہے۔

زورِ نگاہ بین کہ بہنگامۂ وصال

صد صف نگہ ز شوقِ تماشا شگافتیم

اس شعر میں گ اور ص اور ش سے صوتی فضا تیار ہوتی ہے۔

اور اس میں تو کچھ شک نہیں کہ ساری غزل شگافتیم کے مرکزی تاثر سے مغلوب ہے۔

اس غزل کی صوتیات بھی ملاحظہ ہو۔

صد سینہ بہرِ رہن سرانجام کردہ ایم

داغِ دگر ز سوختگان وام کردہ ایم

ص، س اور ر کی تکرار دیکھیے۔ اس کے بعد کے اشعار لکھتا ہوں۔ قارئین خود صوتی تجزیہ کر لیں:

فرزانگی است شہرہ بدیوانگی شدن

از پختگی است کار اگر خام کردہ ایم

راند ز حرف ما بزبان ریشہ شہد کام

زین حنظلے کہ تربیتِ کام کردہ ایم

بستانیاں گلخن کوے محبتیم

خاشاک خشک را گلِ نو نام کردہ ایم

از رنگِ زہد آئینۂ سینہ گشت پاک

صیقل گری بہ شیشۂ یک جام کردہ ایم

ظہوری کے کلام میں معانی وحقایق کا کوئی ذاتی تجربہ یا ان کا گہرا تفکر نہیں ملتا ــــ اور الم و درد کا تو فقدان ہے۔ لے نشاطیہ ہے اور حروف و الفاظ کی ترکیب و ترتیب سے تجمل و تکلف کی عمارتیں جابجا کھڑی کی ہیں۔ مبالغے ہیں:

از سینہ گر ترانۂ بلبل بر آورم

صد داغِ تازہ از جگرِ گل بر آورم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نیل در نیل اشکِ محرومی ز مژگان می کشم
گردِ غم بر رُخ بیابان در بیابان می برم

نزدیک شد کہ جوشِ غیرت بر کشم
بر روی غیر، تیغِ دعائے سحر کشم

اس غزل کی ردیف قابلِ توجہ ہے:

دریوزہ و دشنام زلب رُفتم و رفتم
شرمم زدعا باد دعا گفتم و رفتم

یہ غزل بھی ملاحظہ ہو:

در ہوا زندان او بر بوستان خوش غالب است
در خرام او زمین بر آسمان خوش غالب است

تشبیہی استعارے ناقابلِ یقین اور گرانبار ہیں ---- وہ خامی جس کے لیے ہندوستان کی شاعری کو بدنام کیا گیا ہے اکثر موجود ہے - یہ شعر دیکھیے:

ہمایوں طائرِ دل ذوقِ بال افشانی دارد
دران بستان کہ از پرہا ئے مرغان دام میروید

غور فرمائیے - ظہوری کی خیالی دنیا حقیقت سے کتنی دُور ہوئی جاتی ہے - اس کے تخیل میں ایک ایسا بستان بھی ہے جہاں پرندوں کے پروں سے دام اُگ آتے ہیں -

مختصر بحر والی غزلیات میں قلبی واردات بھی کم کم نظر آتے ہیں ان کا بیان بھی راست ہے مگر ہیجان خیزی یہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی لیکن تجربے کی گہرائی الم کی کسک، کسی نادر حقیقت کا انکشاف یہاں بھی کم ہی ہے - ظہوری شوق و نشاط کا شاعر ہے - غم کے سلسلے سے اس کا کچھ تعلق نہیں، غم کا بیان زیادہ سے زیادہ یہ شکل اختیار کرتا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غرقۂ داغم مرا بباغ چہ کار است
عکس تو گل کردہ سینہ آئینہ زار است

ظہوری کا گریۂ ہجر بھی غم نہیں محض بے تابی و اضطراب کا آئینہ دار ہے۔ غمِ زلیست اور دانشِ زیست دونوں اس کے دیوان میں در نہیں آئے ـــ اور اگر غالب کو اس کے باوجود ظہوری سے عقیدت ہے تو وہ اس کے کلام کے تجمّل اور اس کی آواز کی ہیجان خیزی کی وجہ سے جو شکوہ کی علامت ہے۔

کہا جا چکا ہے کہ ظہوری کی شہرت یا تو اُن کی نثر کی وجہ سے ہے یا اُن کے ساقی نامے کی وجہ سے۔ اور اگرچہ ان کی غزل بھی دوسرے درجے کی ہے مگر دیکھا جائے تو ساقی نامہ ہی اُن کا شاہکار ہے۔ آزاد بلگرامی نے اس کے بیان کی صفائی نمکینی اور نازک ادائی کی تعریف کی ہے۔ (مآثر الکرام جلد دوم ص ۶۲)۔ مگر یہ تعریف صحیح صورتحال کو ظاہر نہیں کرتی۔ ساقی نامے میں اور بھی بہت کچھ ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس ساقی نامے میں اس صنف کے جملہ آداب ملحوظ ہیں۔ مے کی تعریف ہے مے خانہ و مے فروش کی توصیف ہے۔ ساقی کو خراجِ تحسین ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس ساقی نامے میں توصیف اور نظمیہ تعمیر کے نئے تجربے بھی کیے ہیں۔ اس میں بزم کے علاوہ رزم کا رنگ بھی ہے۔ بزم اور شہری معاشرت کے لوازم، بہار، باغ، شب وشمع، مطرب، شام، پان، رقاص، فانوس، چراغ، گرمابہ، مسجد، بازار وغیرہ کے علاوہ رزم کی شمشیر و اسپ و قلعہ، توپ و فیل کی توصیف بھی ہے۔ اس ساقی نامے میں مثنوی کے ساتھ ساتھ غزل کا پیوند بھی ہے۔ ایک زور کی قسمیہ نظم ہے جو عرفی کے قسمیہ قصیدے کے مقابلے کی چیز ہے۔ پھر قصیدے کے انداز میں برہان الملک کی مدح بھی ہے، اس کی تعمیرات مسجد اور قلعہ وغیرہ کی بھی توصیف ہے ـــ اور جابجا تاریخی حکایتوں کے ٹکڑے بھی لائے گئے ہیں اور جہاں ساقی سے خطاب ہے وہاں تقابل کے طور پر زاہد سے بھی خطاب ہے۔ اس وصفیہ نظم کاری کے اندر لاجواب قسمیہ نظم بھی ہے جس میں ظہوری کی قادر الکلامی عروج پر ہے اس ساقی نامے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں ظہوری کی شخصی آواز بھی ہے۔ یعنی اس میں ظہوری نے اپنے دل اور مزاج کی براہِ راست ترجمانی بھی کی ہے ـــ اور اپنے زمانے کے رجحانات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور زمانے کی بری روشوں پر بھی گفتگو کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذمتِ روزگار کے عنوان سے ظہوری نے شکایت کی ہے کہ زمانہ اپنی گردشوں اور بے وفائیوں کی وجہ سے جو کچھ ہے، اس کے پروردگان بھی کچھ کم نہیں:

ہمہ گرگ طبعان ضرغام کین
ہمہ زیردستان بالا نشین
ہمہ راستان لیک اندر کجی
زہر یک جدا حقہا بہ کجی
ہمہ آشنایانِ بیگانگی
محل جوی چون دشمنِ خانگی
ہمہ نیش افسانۂ نوش چیست
ہمہ خار، گل در گلستان کیست

ساقی نامہ کیا ہے؟ ظہوری کے زمانے کی پوری زندگی (یا اس دور کی درباری زندگی) کا آئینہ ہے جس میں اس زمانے کی شائستہ سوسائٹی کا پورا انسان نظر آتا ہے۔ تیغ و سنان و خنجر، قلعوں اور شہروں کی تعمیر کے ساتھ شاہد و شراب و ساقی، اس کے ساتھ ہی قلم و کتاب و شعر و سخن ——— ان سب باتوں کے باوجود حمد و مناجات کا طلبگار ——— دعا و نماز میں اعتقاد رکھنے والا ناقص مگر پورا انسان اپنی بھرپور زندگی کے ساتھ چلتا پھرتا دکھائی دیتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظہوری غم کا شاعر نہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ زندگی کے تضادات سے وہ متاثر نہیں ہوتا۔ ساقی نامہ میں اس احساسِ ناگواری کی جھلک کئی جگہ نظر آتی ہے۔ ایک فصل "در شکایت بحث" میں اپنی اس خلش کا کھلے الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

نداد طالع بآں حالتم | کہ از دشمن و دوست در خجلتم
محبت، محبت زدم سالہا | نگفتم کہ رفتم بایں حالہا
زبیم شماتت بخون می طپیم | زخصمان نہان در درون می طپیم
بدل گریۂ غم گرہ می کنم | بجان آہ حسرت زدہ می کنم

لیکن یہ اظہارِ غم معمولی سطح کا ہے اور وہ نہیں جو زندگی کی حقیقتوں سے پردہ اٹھایا کرتا ہے ——

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تجزیہ غم کی گہرائی نظر نہیں آتی۔

ساقی نامے کا وہ حصہ قیمتی ہے جس میں ظہوری نے شاعری کی حقیقت بیان کر کے اپنی شاعری پر کچھ لکھا ہے۔

تعریفِ سخن میں لکھا ہے:

سخن چیست سرجوش این هفت خم
کز و هوشیاران کنند اشتلم
جهانے است مستانه در گفتگو
زخم خانهٔ اوست این هائے وهو
زبان از سخن این چنین تازه رو است
دهانِ خموشی پر از گفتگو است

شاعری کی تاثیر کے بارے میں لکھا ہے:

کند جنگ بر صلح گر اختیار
شود بزم ها عرصهٔ کارزار
بنرمی در آید خسک قاقم است
بگرمی در آید فلک هیزم است
شود گاه مقراض و گه سوزن است
بدرو بدوزد چه چابک فن است

اپنے کلام کی تعریف، اور اپنے دعوے کے اثبات کے طور پر دو فصلوں میں شعر و شاعری کے کچھ تصورات بھی آ گئے ہیں۔ شاعری کے بارے میں بڑی عمدہ بات یہ کہی ہے کہ:

آسان ترش صعب است دشوار تر

اور یہ اصول بھی کچھ کم کارآمد نہیں،

بمعنی بیارای لفظ آنچنان   که گردد ستایش ستایش بآن
اگر لفظ و معنی نظیرِ هم اند   بچابک ادائی اسیرِ هم اند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تناسب بہر معنی عمدہ گیر — عروسِ جمیل و لباسِ حریر
اگر تنگ ورزی نہ دارد حروف — ز معنی تراشی نداری وقوف
بتکرار گر شد مکدر ردیف — ردیف خود است کے شمارد حروف
بیا کی زبان معرفت زای کن — درون چون بعلنِ خود آرای کن
ازان شعرِ خشک الحذر الحذر — کہ چشمے نگردا نداز گریہ تر

ان اشعار میں ظہوری کا اپنا تصورِ شاعری ہے، یوں آخری شعر میں جو کچھ کہا ہے وہ ان کی شاعری میں مفقود ہے۔ البتہ وہ صنعت بدرجہ کمال ہے۔ جیسے انھوں نے تناسب کہہ کر عروسِ جمیل و لباسِ حریر قرار دیا ہے۔

بہرحال ساقی نامہ ایک اہم نظم ہے اور نثر کے اسلوب خاص کی طرح یہ بھی ظہوری کی شہرت کے لیے جائز بنیاد مہیا کرتا ہے۔

ان وجوہ سے اگر غالبؔ یا دوسرے شعرائے ہند کی نظر میں ظہوری نے عزت پائی اور احترام کی نگاہ سے دیکھے گئے تو تعجب نہیں ہوتا اگرچہ یہ ضرور کہنا پڑتا ہے کہ اس میں ظہوری کی شخصیت اور درباری رتبے کا بھی بڑا حصہ ہے۔

تاریخِ جمہوریت : شاہد حسین رزاقی

موجودہ زمانے میں جمہوریت کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اور اس نے ایک ترقی یافتہ نظریۂ حیات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ یہ کتاب قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضر تک جمہوریت کی مکمل تاریخ ہے جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو نہایت واضح اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے بی اے آنرس کے نصاب میں داخل ہے۔

صفحات : ۴۴۰ : قیمت : ۸/- روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ ثقافتِ اسلامیہ - کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com